الایام: مجلسِ تحقیق برائے اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی   جلد:۴، شمارہ:۲، جولائی۔دسمبر ۲۰۱۲ء

سید احمد خان: تفسیرِ قرآن اور اس کا ردِّ عمل

روبینہ سرور ☆

Abstract

Sir Syed Ahmed Khan: Comprehensive Quranic translation and its implications on society at large

The War of Independence of 1857 was the unprecedented outcome of the downfall of Muslims, who had virtually become slaves of the Hindu majority and the British rulers. Sir Syed made the Muslim condition the object of his focused study. His contemplation proved to be insightful. It is well known that Sir Syed Ahmed Khan belonged to the same school of thought as the eminent Shah Wali Ullah. Both luminaries successfully provided appropriate religious and ethical guidance to the Muslims of India.

In this paper it is to be elucidated the important milestones of Sir Syed's life, his achievements which were attained during the peak period of his life.

Key words: *Syed Ahmed Khan - Tafseer-ul-Quran.*

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ڈی ایچ اے کالج برائے خواتین، کراچی

سید نے وہ عہد پایا جب ایک قوم اور ایک تہذیب کے اقبال کا سورج ڈوب رہا تھا اور ایک نیا عہد جنم لینے کو تھا جو کہ مسلمانانِ ہند کے لیے پر آشوب دور تھا۔[1]

اس عہد کے سرتاج یا امام سرسید احمد خان ہیں، جن کی تحریروں نے اردو کے قالب بے جان میں جان ڈال دی۔[2] ہندوستان کے مسلمانوں کی گزشتہ دو سو سال کی فکری، علمی، سماجی، مذہبی، سیاسی، ادبی اور اخلاقی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر سید احمد اور علی گڑھ تحریک نے بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنے اثرات نہ چھوڑے ہوں۔[3]

سید احمد اور ان کے رفقا کے لیے مدرستہ العلوم ایک تعلیمی درس گاہ نئے فکری رجحانات کی علامت اور احیائے ملی کی ایک تحریک کا نام تھا۔ مسلمان قدیم تہذیب کے لباس میں ملبوس شتر مرغوں کی طرح عظمت رفتہ کے ریگ زاروں میں اپنی گردنوں کو چھپائے بیٹھے تھے، نئے حالات میں پرانے نظام کی بے مائیگی اور بے بسی ظاہر ہو چکی تھی لیکن اس میں ترمیم کی جرأت کسی کو نہ تھی ایسے میں سرسید نے اعلان کیا کہ:

> ''ایسے مدرسوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے افسوس ہے کہ مسلمانان ہند ڈوبے جاتے ہیں اور کوئی ان کا نکالنے والا نہیں ہے۔ ہائے افسوس! امرت تھوکتے ہیں اور زہر نگلتے ہیں افسوس ہاتھ پکڑنے والے کا ہاتھ جھٹک دیتے اور مگر مچھ کے منہ میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ سوکھے ہوئے چشموں سے نہریں کھود کر پانی لانے کی توقع کرتے ہیں۔ پچھلا طریقہ تعلیم واقعی بہت اچھا تھا لیکن وہ تیلیاں جس ڈور سے بندھی تھیں ٹوٹ گیا اب دوسرا ڈوران کے باندھنے کو ہونا چاہیے۔''[4]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان سیاسی، اقتصادی اور سماجی اعتبار سے انگریز اور ہندو کا محتاج بنتا جا رہا تھا اور یہ نتیجہ تھا اس زوال آمادہ تہذیب کا ''جمود'' جس کی سب سے بڑی قدر تھی سرسید نے مسلمانوں کو تہذیب وعلوم جدیدہ کی طرح راغب کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ سید نے اردو ادب کو جو ذہن دیا اسے اگر جزئیات میں سمیٹا جائے تو اسے بڑے عنوانات مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱۔ مادیت

۲۔ عقلیت

۳۔ اجتماعیت

۴۔ حقائق نگاری

سید کی مجموعی فکر و ادب کی عمارت انھی بنیادوں پر قائم ہے۔[5]

سید احمد نے ہی مجموعی فکر و ادب میں روایت کی تقلید سے ہٹ کر آزادیٔ رائے اور آزادیٔ خیال کی رسم جاری کی۔[6] سید قوم کو غور و فکر کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیتے رہے کہ ضروری نہیں وہ جو کچھ تحقیق کر رہے ہوں وہ درست ہو لیکن ان سے جو کچھ بھی ہو سکے گا وہ ضرور کریں گے۔[7] وہ اعتراف کرتے ہیں کہ:

> ''جو میں نے کیا یا کرتا ہوں میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے اگر میں نے اچھا کیا تو اس کا صلہ کسی بندے

سے نہیں چاہتا، جو لوگ مجھے کافر یا نیچری کہتے ہیں ان سے میں اپنی شفاعت کا خواستگار نہیں ہوں۔ میرا برا یا بھلا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔''[۸]

سید کی زندگی کے چار پہلو اہم ہیں۔

۱۔ **بحیثیت مصنف**: سید بحیثیت مصنف انشاء پردازی کے عروج پر نظر آتے ہیں ان کی طرزِ تحریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ ہر قسم کے مضامین خواہ کسی موضوع پر ہوں مثلاً اخلاق، معاشرت، سیاست، مناظر قدرت، مذہب غرض جس طرف بھی متوجہ ہوئے اس کو اس درجے پر پہنچا دیا کہ اس سے بڑھ کر جدت پیدا کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۲۔ **بحیثیت رہنما**: سید کے مزاج میں ابتدا ہی سے وہ تمام جوہر موجود تھے کہ جو کسی پرعزم زعیم میں ہوتے ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انھوں نے ایسے نازک وقت میں جس طرح مسلمان قوم کو سنبھالا وہ سرسید ہی کا کام تھا۔ مسلمان معاشی استحکام سے محروم، قومی وقار کے صدموں سے دوچار مذہبی منافرت جیسی عمیق ذلتوں میں گھر چکے تھے اور پھر اپنے تہذیبی ورثوں کی حفاظت سے محروم کیے جا رہے تھے اس کڑے وقت میں اس ہمدرد ملّت نے جس طرح قوم کو سہارا دیا ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کے سدباب کے لیے تعلیم کو بطور دوا تجویز کیا وہ ان کی قائدانہ عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۳۔ **بحیثیت ماہرِ تعلیم**: بحیثیت ماہرِ تعلیم سید نے اپنا کردار اس طور نبھایا کہ مسلمان نئے طرزِ فکر سے متنفر اور پریشان حال تھے سید نے ان کو حوصلہ دینے کے ساتھ ساتھ ایسے عملی اقدامات کیے جو مسلمانوں کو عملی زندگی میں جہالت سے مقابلے کا درس دیتے رہے۔ سید کی دانش و بینش نے آنے والے دور کا ادراک کر لیا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں مرادآباد میں فارسی مدرسے کی بنیاد سے لے کر ۱۸۷۷ء میں ایم اے او کالج کی بنیاد تک سید احمد نے کئی تعلیمی ادارے قائم کر کے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ تعلیم کے لیے وقف کر دیا۔

۴۔ **بحیثیت مذہبی مبلغ**: جب کوئی قوم سیاسی زوال اور اخلاقی ابتری میں مبتلا ہوتی ہے تو ان میں مذہبی تعصبات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں سید جس دور کے نمائندہ تھے اس معاشرے میں ذرا ذرا سی بات پر شدید مذہبی جھگڑے اٹھ جانا اور بے معنی باتوں پر کفر کے فتوے لاگو کرنا ایک عام سی روایت تھی۔ عملی زندگی سے لوگ دور خیالی اور بے سود باتوں میں مبتلا رہتے تھے۔ قومی غیرت اور حیا کا کوئی سوال نہیں تھا اور آدھی سے زیادہ قوم گداگری کے قعرِ مذلت میں مبتلا تھی۔[۹] ان حالات میں سید نے قوم کی مذہبی تربیت کا اہم اور نازک کام سنبھالا۔ سید کہتے تھے کہ فطرت *Work of God* ہے اور قرآن *Word of God* ہے۔ وہ دونوں میں مطابقت چاہتے تھے اور جدید علم الکلام کی بنیاد اس اصول پر قائم کی۔[۱۰]

انیسویں صدی کی تاریخ کو وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کو پستی سے نکالنے کے لیے ہندوستان میں سید احمد خان تھے تو ان کے دیگر ہم عصر مشاہیرین جن میں ترکی کے مدحت پاشا اور فواد پاشا، ایران کے حجتہ الاسلام شیخ ہادی نجم آبادی، مصر کے مصطفیٰ کامل، تیونس کے خیرالدین پاشا، الجیریا کے امیر عبدالقادر، نجد میں مولانا عبدالوہاب، طرابلس میں امام محمد بن سنوسی، روس میں مفتی عالم جان اور افغانستان میں سید جمال الدین افغانی سرگرمِ عمل تھے۔[۱۱]

سید نے علما کو تقلید جامد کی دلدل سے نکال کر انھیں اجتہاد کی دعوت دی اور یہ احساس پیدا کیا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ

حیات ہے اور وہ ہر دور میں انسان کی رہبری کا کام انجام دے سکتا ہے۔۱۲

سید کا خیال تھا کہ علم و ہنر، سماج و سیاست کے تمام قدیم نظریات سے سبکدوشی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مذہب کی ان غلط تعبیروں سے نجات حاصل کی جائے جنھوں نے سائنس کو مذہب کا حریف بنا کر ذہنوں میں شکوک و شبہات کی خلش پیدا کر دی۔ محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں اپنے ضمیر کو مخفی نہیں رکھ سکتا میں صاف صاف کہتا ہوں کہ لوگ اگر تقلید کو نہ چھوڑیں گے تو اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائے گا۔''

سید کی مذہبی فکر کی آبیاری ان کے گھریلو ماحول اور ہندوستان کے مخصوص سیاسی ماحول کا خصوصی حصہ ہے۔ سید کے نانا خواجہ فرید الدین احمد وزیر سلطنت ہونے کے ساتھ ساتھ مدبر و منتظم اور عالم فاضل تھے۱۳ ولی اللہی مسلک کی پیروی کرتے تھے۔ دلّی میں علوم اسلامی کے دو بڑے مرکز تھے ایک شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ اور دوسرا مظہر جان جاناں کے جانشین شاہ غلام علی کی خانقاہ جو کہ نقشبندیہ سلسلے کے پیروکار تھے۔ سر سید نے دونوں سے فیض اٹھایا۔ سید کی تعلیم و تربیت میں متداولہ علوم کو پیش نظر رکھا گیا یعنی قرآن ناظرہ اور فارسی کی اخلاقیات پر مبنی کتب جو اس وقت بچوں کو ابتدائی عمر میں لازمی پڑھائی جاتی ہیں مثلاً کریما، خالق باری، آمدن نامہ، گلستان، بوستان وغیرہ تاکہ بچوں کی کردار سازی کی جا سکے۔۱۴

سید احمد کا تعلق دہلی کے اعلیٰ خاندان سے تھا علم دوست و اہل کتاب اصحاب سے ان کی صحبتیں رہتی تھیں۔ اس مخصوص ماحول نے سید کی علمی و روحانی تربیت کی، حیاتِ جاوید میں حالی رقم طراز ہیں کہ:

''انھوں نے مذہب کی آغوش میں پرورش پائی اور مذہب ہی کی گود میں ہوش سنبھالا۔''۱۵

سید نے جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کو درپیش تین بڑے خطروں کو بھانپ لیا تھا۔

۱۔ عیسائی مشنریوں کی یلغار جنھیں امید تھی کہ سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں میں مذہبی انحطاط بھی شروع ہو جائے گا۔

۲۔ آنحضرت اور قرآن دشمنی جس کی تبلیغ کے لیے مغرب کے حکما اور علما میدان میں اتر آئے اس کی بدترین مثال سر ولیم میور کی کتاب ہے۔

۳۔ نوجوان نسل کے مذہبی عقائد سے بیزاری کی مہم۔۱۶

اس زمانے میں جید علما نے ان خطرات کا مقابلہ اپنے تئیں کیا۔ مذہبی مناظرے کیے پمفلٹ تقسیم کیے تبلیغ کی، سید چاہتے تھے کہ انگریزوں کو سمجھایا جائے ان سے دشمنی نہ مول لی جائے تاکہ مسلمان براہ راست حاکموں کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنیں۔ سر سید کی تحمل مزاجی ان کی کمزوری نہیں تھی بلکہ وہ مذہبی رواداری کی فضا پیدا کر کے حکمرانوں کو مسلمانوں کا مذہبی موقف سمجھانا چاہتے تھے سید نے اسلام کی ایسی ترجمانی کی جس پر کسی کو اعتراض نہ ہوا اور ساتھ ہی وہ مسلمانوں کو سمجھانا چاہتے تھے کہ انگریزوں کی حکمرانی جو کہ ایک حقیقت تھی اس کا ادراک پیدا کرتے ہوئے عیسائی حاکموں سے روابط استوار کریں سر سید نے مذہبی تصانیف انھی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریر کیں۔ رسالہ طعام اہل کتاب، تبیین الکلام اور رسالہ ابطالِ غلامی اس سلسلے میں اہم ہیں لیکن خطبات احمدیہ جو

کہ سر ولیم میور کی کتاب کے جواب میں لکھی گئی سید کی اہم ترین مذہبی کاوش ہے۔ بعدازاں سید نے تہذیب الاخلاق میں تفسیر قرآن شائع کرنی شروع کی۔ سید نے نامکمل ترجمہ قرآن وتفسیر لکھا جو کہ سترہویں پارے تک لکھا جاسکا بوجہٗ انتقال سید اسے مکمل نہیں کر سکے چھ مطبوعہ جلدیں آخر سورہ بنی اسرائیل تک اور ایک جلد غیر مطبوعہ سورہ الانبیاء تک منظر عام پر آئی۔ [17]

جہاں تک ترجمہ قران کا تعلق ہے اس میں کوئی خاص بات اعتراض کی نہیں ہے سید کے خیالات کے سب سے بڑے مخالف مولانا حقانی کے کہنے کے مطابق یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر کے الفاظ میں معمولی ردوبدل کر کے کیا گیا ہے [18] سورۂ فاتحہ کا ترجمہ سید احمد خان نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''سب بڑائیاں خدا ہی کے لیے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے بڑا مہران اور بڑا رحم والا، حاکم ہے انصاف کے دن کا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم کو سیدھی راہ پر چلا ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے بخشش کی نہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تیرا غصہ ہوا ہے اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ پر۔''

سید کے ترجمہ قرآن کے چند نمونے دیے جارہے ہیں جس سے کہ سرسید کے اسلوب تحریر کا اندازہ ہوتا ہے زبان صاف اور سادہ ہے متروک الفاظ کا استعمال بہت کم ہے۔

الف۔ سورۂ الانعام: ۴۰، جلد سوم، ص ۱۳

''کہ اے پیغمبر کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لیے اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا تم پر بری گھڑی آئے کیا خدا کے سوا کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو۔''

ب۔ سورۂ الاعراف: ۱۸، جلد سوم، ص ۷۵

''اے آدم تو اور تیری جورو رہ اس جنت میں پھل کھاؤ دونوں جہاں سے چاہو اور نہ پاس جاؤ اس درخت کے پھر تم دونوں ہوگے ظالموں میں سے۔''

ج۔ سورۂ الانفال: ۲۰، جلد چہارم، ص ۲۰

''اور وہ تیرے ساتھ مکر کرتے تھے اور خدا ان کے ساتھ مکر کرتا تھا اور اللہ سب مکر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''

د۔ سورۂ یوسف: ۱۱۰، جلد پنجم، ص ۸۹

''یہاں تک کہ جب ناامید ہوگئے رسول اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ ان کے (یعنی رسولوں) کی طرف سے جھوٹ بولا گیا تو آئی ان کے پاس ہماری مدد۔''

ہ۔ سورۂ اسریٰ: ۹۰، جلد ششم، ص ۱۳۸

''یعنی کہہ دے اے پیغمبر اگر جمع ہو جائیں انس یعنی شہروں کے رہنے والے اور جن (یعنی بدو) جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے اس بات پر کہ کوئی چیز اس قران کی مانند لاویں تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔'' [19]

سید احمد کو ان کے ہم عصر علما نے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا خصوصاً مولوی عبدالحق حقانی نے تفسیر فتح المنان کے مقدمے میں سید کے مذہبی رجحانات پر سخت تنقید کی ہے۔۲۰

سید نے اپنے خلاف ہونے والی مہم کا مدلل دفاع کیا، لکھتے ہیں:

''اے میرے دوستوں میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہیں وہ صحیح ہیں مگر جب مجھ کو بجز اس کے جو کچھ مجھ سے ہو سکے وہ کروں، جو میں نے کیا یا کرتا ہوں میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے اگر میں نے برا کیا وہ چاہے گا معاف کرے گا چاہے گا نہ کرے گا اگر میں نے اچھا کیا تو اس کا صلہ کسی بندے سے نہیں چاہتا اور یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے کافر یا نیچری کہنے سے نہیں ڈرتا جو میری ان کوششوں کے سبب برا کہتے ہیں کافر بتلاتے ہیں ان سے اپنی شفاعت کا خواستگار نہیں ہوں اور نہ ہوں گا جو برا یا بھلا معاملہ ہے وہ میرا خدا کے ساتھ ہے۔''۲۱

سید احمد کے دور میں عوام الناس میں جو ذہنی جمود تھا اس کے خلاف بغاوت، مذہبی مسائل میں غور و فکر تحقیق و تفتیش، شرعی احکام کے لیے عقلی بنیادیں مہیا کرنا اور مسائل کو عقل و شعور کی روشنی میں عصرِ حاضر کا ہم آہنگ بنانا سید کا اصل ہدف تھا۔ سید نے تفسیر کے لیے دو اہم نکات کی سختی سے پاسداری کی یعنی:

۱۔ قانونِ فطرت

۲۔ خالص قرآن

جس اصول پر سید نے یہ تفسیر لکھنی شروع کی تھی یہ ایک ایسا مشکل کام تھا کہ کوئی اور شخص ایسا کام شروع کرتا تو چند روز میں چھوڑ دیتا کیوں کہ یہ کہہ دینا آسان ہے کہ اسلام میں کوئی بات فطرت کے قوانین کے خلاف نہیں لیکن اسے ثابت کرنا بہت مشکل کام ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب اس طرز کا کوئی نمونہ بھی موجود نہ ہو یہ سرسید ہی کی ہمت تھی کہ باوجود سخت مخالفتوں کے اپنے کام سے جڑے رہے اور نہایت استقلال کے ساتھ اس کام کو اپنے مذہبی فرائض میں سب سے ضروری اور اہم سمجھ کے انجام دیتے رہے۔۲۲

سید کے بعض نظریات سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس تفسیر میں جس عصری رجحان اور معرکۂ دین و سائنس کا خیال رکھتے ہوئے دینی فکر کو نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے اثرات دور رس ہوئے کوئی تفسیر زمان و مکاں کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر نہیں لکھی جا سکتی۔۲۳ مولانا عبدالکلام آزاد جو ان کے سیاسی افکار سے متفق نہیں تھے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان نے سرسید کی اس رائے کی روح کو سمجھا ہوتا اور اس کی پیروی کی ہوتی تو آج ملک کی تاریخ کا دوسرا رخ ہوتا۔۲۴

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ''وحدت ادیان'' کا تصور سب سے پہلے سید نے دیا اور مولانا آزاد نے اپنے زورِ بیان سے اس نظریے کو ادبی شاہ کار بنا دیا۔۲۵

سید کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ وہ خاندان ولی اللٰہی کے سچے پیروکار تھے اور اگر انھوں نے روایتی تقلید سے ہٹ کر سوچا تو یہ اسی خاندان کا طرۂ امتیاز تھا یہی وجہ ہے کہ سرسید نے اپنی تصانیف میں شاہ ولی اللہ کو اکثر نقل کیا ہے

اوراپنے دلائل سے اسے تقویت دی۔۲۶ سید نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ احیائے ملی اور تعمیرِ قومی کے لیے وقف کر دیا ان کے زندہ جاوید ہونے پر بھلا کون شک کرسکتا ہے۔۲۷

مغربی تعلیم نے ہندو طلبا کے مذہبی عقائد کو جس طرح تباہ کیا تھا سر سید نے اس کا ادراک کر لیا انھوں نے بہت ضروری سمجھا کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کو واضح کریں اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یہ ان کی کوتاہ بینی ہوتی۔۲۸ بلاشبہ وہ اسلامی فکر کی تاریخ کے قدیم ترین تجدد پسندوں میں سے تھے اپنے عہد کی غیر مسلم دنیا کے سامنے اسلامی تعلیمات معقول انداز میں پیش کیں۔ان کی سب سے زیادہ قابل قدر خوبی حقیقت پسندی تھی۔جس نے جذباتی خام خیالی کے تارِ عنکبوت کو ہٹا دیا۲۹ اور برِ عظیم کو درست نصب العین فراہم کیا۔۳۰

سید احمد کے ترجمہ قرآن کو ناقدین شاہ عبدالقادر کے الفاظ کا معمولی ردّ و بدل قرار دیتے ہیں۳۱ لیکن اصل تنقید سید کی تفسیر قرآن پر کی جاتی ہے سر سید نے تفسیر کے لیے پندرہ اصول وضع کیے۳۲ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ قادرِ مطلق ہے۔

۲۔ حاضر و ناظر ہے۔

۳۔ خالقِ کائنات ہے۔

۴۔ اس نے بنی نوع انسان کے لیے پیغمبر معبوث کیے۔

۵۔ قرآن وحی مستند ہے۔

۶۔ قرآن کلامِ الٰہی ہے۔

۷۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ (جبرئیل کے ذریعے قلب پر القا کیا گیا یہ بات اہم ہے۔)

۸۔ قرآن میں کوئی بات نادرست یا غلط یا خلاف واقعہ نہیں ہے۔

۹۔ اللہ کے جن اوصاف کا اس میں ذکر ہے وہ صرف اپنے جوہر کی صورت میں موجود ہیں اور اس کی ذات سے ہم آہنگ اور ابدی ہیں ان صفات کی کوئی ووا اور انتہائیں ہیں۔

۱۰۔ قرآن میں کوئی شے قوانین کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

۱۱۔ قرآن کا موجودہ متن حتمی اور مختتم ہے جس میں کوئی چیز نہ تو الحاقی ہے نہ اضافی۔

۱۲۔ ہر سورہ کی آیتیں اپنے موجودہ تسلسل اور تاریخی ترتیب سے پائی جاتی ہیں۔کلاسیکی اسلام میں نسخ جو متن اور تفسیر میں مسلمہ حقیقت کا روپ رکھتا ہے اسے مطالعۂ قرآن کے سلسلے میں رد کرنا ضروری ہے۔

۱۳۔ وحی قرآن نے بتدریج ترقی کی ہے قرآنی مسائل متعلقہ بہ ملائکہ، عفریتیات اور کونیات سائنسی حقیقت سے متصادم نہیں ہوسکتے۔

۱۴۔ اسی زبان میں اس کی تشریح ہونی چاہیے۔

۱۵۔ قرآن شریف کے بلاواسطہ اور بالواسطہ بیانات جو انسانی معاشرت کی ترقی کے امکانات اور اضافوں کا باعث ہو سکتے ہیں اس کے مطالعے کے لیے لسانی تحقیق بھی ضروری ہے۔

سید ''انفرادی تفکر'' کھلا رکھنا چاہتے تھے کہ جسے ''باب الاجتہاد'' کہا جاتا ہے۔سید احمد ولی اللٰہی اساسیت اور اصول پسندی کے مقلد تھے۔سرسید کی اسلامی اصلاح پسندی کا آغاز درحقیقت دبستان شاہ ولی اللہ سے ہوتا ہے کہ جہاں انھوں نے ابتدائی مذہبی تعلیم حاصل کی۔۳۳

سید کے مذہبی خیالات مغربی فکر سے زیادہ ان داخلی، روحانی اور تاریخی قوتوں کا نتیجہ تھے کہ جنھوں نے اٹھارہویں صدی کے اوائل میں سلطنتِ مغلیہ اور سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے دوران مذہبی مواد اور صورتِ حال کا بحیثیتِ مجموعی جائزہ لینے کی ضرورت پیدا کر دی تھی۔شاہ ولی اللہ کا خاص فقرہ کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ اسلامی دینیات کو پوری طرح منطقی بحثوں اور دلیلوں سے مسلح کر کے میدان میں لایا جائے'' سید کی انقلابی جدیدیت کا نقطۂ آغاز بنا۳۴ سید مذہب کو ایک ایسا نظامِ حیات سمجھتے تھے کہ جس کا بنیادی مقصد معیارِ اخلاق کا قیام ہے اس کا جوہر عقیدہ کے بجائے ''تلاشِ حق'' ہے جس سے ایک سچے مسلک اور جھوٹے مسلک کے درمیان امتیاز پیدا ہوتا ہے۔

سید احمد نے جب روایتی تفسیری ذخیرے کے چھانا تو انھیں محسوس ہوا کہ پورا تفسیری ادب ثانوی مسائل سے بھرا ہوا ہے اسی بنا پر سرسید احمد خان نے تفسیر قرآن کے لیے اپنے اصول وضع کیے۔سید کے ان اصولوں پر سب سے پہلے ان کے رفیق محسن الملک نے اتفاق کیا۳۵ خصوصاً اس بات پر کہ قرآن کی صحیح تفہیم اسی وقت ممکن ہے جب کہ آنحضرتؐ کے دور کے عربی محاوروں اور روزمرہ پر پورا عبور حاصل ہو۔اس کے ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ سرسید احمد نے نیچر کی اصطلاح سے وہی مفہوم لیا جو کہ انیسویں صدی کے سائنس وان لیتے تھے۔یعنی ایک ایسا نظام جو جامع طور پر میکانیات اور طبیعات کے قوانین کا پابند ہے۔قرآن پاک کی ''فطرتیت'' پر مبنی تفسیر نے مسائل پیدا کر دیے تھے ان میں عوامی حکایتوں کی تشریح بھی تھی کہ جن پر پپڑی جمی ہوئی تھی جیسی کہ دوسری مذہبی کتابوں میں موجود تھی اس مشکل کا حل سید نے یہ نکالا کہ قرآنی آیات کی مشہور اقسام ''بینات اور متشابہات'' کی نئی تعریف ''لازمی اور اشاراتی'' کے نام سے کر دی۔۳۶

جدید اسلام میں سید پہلے شخص ہیں کہ جنھیں ''ڈارونی اور ارتقائیت'' کے اثرات کا تجربہ ہوا۔۳۷

سید احمد کے ساتھیوں میں چراغ علی نے بہت سے مباحث کو دیدہ ریزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔جن میں احادیث کا موضوع اہم ترین ہے۳۸ چراغ علی کے خیالات سید کے مقابلے میں زیادہ انتہا پسندانہ اور غیر محتاط تھے۔کلاسیکی مجموعہ احادیث کی کڑی جانچ پڑتال کو سید قرآن کی تفسیر اور تشریح کے لیے اہم ترین خیال کرتے تھے۔اجتہاد پر غیر معمولی اور بے انتہا زور دیتے تھے۔۳۹ خصوصاً ''اجماع'' کے دائرہ کو محض علما تک محدود کرنے کے سخت خلاف تھے سید احمد خان علی گڑھ میں سائنسی تعلیم اور مذہبی تعلیم کے مابین توازن قائم رکھنا چاہتے تھے اس لیے روایت پسند علما کا تقرر بھی ضروری تھا ان علما میں سب سے اہم نام شبلی نعمانی کا

ہے۔جن کا نظریاتی طور پر سید سے اختلاف تھا لیکن ردِّعمل کے طور پر شبلی کی جو تصانیف ہیں ان پر علی گڑھ کی احیائے ملّی اور دینی کی چھاپ نمایاں ہے۔۴۰

ابوالکلام آزاد سید احمد کی طرح تقلید کے منکر نظر آتے ہیں وہ تمام بنیادی مسائل کا حل مثلاً قوانینِ فطرت، انسان اور خدا کا رشتہ، اخلاقیات کی اقدار اور سیاسی اخلاق کے معیار، قرآن کے اندر تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آزاد اپنے خیالات کو بیشتر قدیم مسلم مفکرین کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ آزاد کا استدلال یہ ہے کہ قرآنی تصور سے پہلے انسانی ذہن اتنا بلند نہیں ہوا تھا کہ تجسیمی، شبیہوں کی نقالیوں سے دور رہ کر براہ راست صفاتِ الٰہی کی تابندگی کو دیکھ سکتا۔۴۱

۱۹۰۵ء میں شبلی اور آزاد کی ذہنی ہم آہنگی واضح ہو جاتی ہے۔ان دونوں نے انتہائی نظریاتی جدت پسندی کے بجائے ایک روشن خیال اساسیت کو جگہ دینے کی کوشش کی۴۲ لیکن جہاں تک سرسید نے مذہبی رواداری کا نعرہ بلند کیا تو آزاد اس معاملے میں سرسید سے بھی زیادہ وسیع القلب ثابت ہوئے اور خصوصاً ہندوستانی مذاہب ہندومت، بدھ مت سے زیادہ رواداری برتتے ہیں۴۳ یعنی لاکھ مخالفتوں کے باوجود آزاد، سید کے ہر انسانیاتی نکتے کے ہم نوا دکھائی دیتے ہیں۔سید احمد کے ہم عصر سیّد جمال الدین افغانی کو سید احمد کے مذہبی معتقدات اور رجحانات کے متعلق بڑی غلط فہمی تھی انھوں نے اپنی کتاب ردنیچرئین میں سرسید کا نام لیے بغیر انھیں نشانہ ہدف بنایا جب کہ عروۃ الوثقیٰ کے ایک مضمون میں انھوں نے سید کو دہریہ کہا۴۴ سید نے ۱۸۶۴ء میں خطابِ لاہور میں کہا کہ ''مجھ کو یقین ہے کہ اسلام اس فطرت کے عین مطابق ہے جن لوگوں نے دانستہ نیچری ہونے کا دوسرے معنوں میں مجھ پر الزام لگایا ہے۔انھیں خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔(لیکچروں کا مجموعہ،ص ۲۱۷)۴۵

دلچسپ بات یہ ہے کہ جمال الدین افغانی نے جس طرزِ فکر کی مخالفت کی ان کے شاگرد مفتی عبدہ نے اسی فکر کو اپنایا انھوں نے اپنی کتاب الاسلام و التعرانیہ میں لکھا ہے کہ اسلام بجز دلیلِ عقلی کے کسی اور چیز کو قابلِ سند نہیں مانتا وہ صرف انسانی فکر کو جو اپنے فطری نظام کے مطابق عمل کرتی ہے اس بارے میں قابلِ استدلال سمجھتا ہے۴۶ (الاسلام و التعرانیہ ،اردو ترجمہ مطبع۔ امرتسر ۴۳-۱۳۲۷ھ)

مولانا حقانی نے تفسیرِ حقانی میں سرسید کو بڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔جس کے جواب میں حالی نے لکھا کہ جس طرح چالاک وکیل جج کو فریقِ مخالف پر برافروختہ کر کے اپنا کام نکال لیتے ہیں اسی طرح ان مولویوں نے اپنی تفسیروں کے خریدار پیدا کرنے کے لیے سرسید سے لوگوں کو بدگمان اور متنفر کر دیا۔۴۷

سید احمد کی سب سے اہم کتاب تفسیر القرآن ہی تھی کہ جسے سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا سید کے بعض خیالات سے اختلاف ممکن ہے لیکن انھوں نے جس طرح دین اور سائنس کا خیال رکھتے ہوئے دینی فکر کو نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی اس کے اثرات بہت دوررس ہوئے بیسویں صدی میں تفسیر کے سلسلے میں جو بھی کوششیں ہوئیں ان میں سید کے احساس کا پورا نقش ہے۔مولانا آزاد، مولانا فراہی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا مودودی ہر کسی کے ہاں اس بنیادی تصور کی کارفرمائی کسی نہ کسی صورت نظر آتی ہے۔کہ زمان و مکان کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر تفسیر نہیں لکھی جا سکتی۴۸ سید یقیناً اردو انشا پردازوں

میں ایک بلند درجہ رکھتے ہیں۔ سید نے مسلمانوں کے مذہبی شعور کو ترقی دینے کی شعوری کوشش کی تا کہ مسلمان کٹھ ملاؤں کے پنجے سے آزاد ہو سکیں۔ ۴۹

سید کے خیالات کا خاص پرتو مولانا محمد علی کی تفسیر بیان القرآن، مولانا احمد کی تفسیر للناس، عنایت اللہ خان مشرقی کا تذکرہ، حکیم احمد شجاع کی تفسیر ایوبی میں خوب روشن ہے۵۰ سید نے جس دینی فکر کی بنیاد رکھی اس کی ترقی میں شبلی، چراغ علی، نذیر احمد، محسن الملک کا اہم حصہ ہے یہ تمام بزرگ سرسید کے علم الکلام سے متاثر ہوئے اور کئی یادگار تصانیف تحریر کیں۔ مخالفین میں مولانا حقانی کے علاوہ مرزا حیرت دہلوی کا نام اہم ہے۔ سرسید کے رفقا میں شبلی نے ندوۃ العلما سے قطع تعلق کرنے کے بعد دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی اس گروہ میں بھی بڑے بڑے نام سامنے آئے جن میں آزاد، سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی اور مولانا عبدالباری کے نام اہم ہیں ان مصنفین کی تحریروں میں بھی معتدل عقلیت پسندی کے آثار نمایاں ہیں بلاشبہ یہ شبلی سے نظریاتی طور پر قریب تھے لیکن اگر انھیں فیضان سرسید نہ کہا جائے تو زیادتی ہوگی۔ ۵۱

اقبال کا اسلامی الٰہیات کی تشکیل کا نقطۂ آغاز سید سے قریب ہے۔ نیاز فتح پوری اور غلام احمد پرویز بعض عقائد میں سید سے بھی چند قدم آگے نکل گئے۔ شبلی نعمانی نے اپنے مضمون سید مرحوم اور اردو لٹریچر میں برملا اعتراف کیا ہے کہ ملک میں آج بڑے بڑے انشا پرداز موجود ہیں جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمران ہیں لیکن ان میں سے ایک شخص بھی نہیں جو سید کے بارِ احساں سے گردن اٹھا سکتا ہو۔ بعض بالکل ان کے دامن تربیت میں پلے ہیں اور بعضوں نے دور سے فیض اٹھایا بعض نے مدعیانہ اپنا راستہ الگ نکالا تاہم سرسید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کس طرح رہ سکتے ہیں۔ ۵۲

سید احمد خان کی تفسیر تقریباً ڈیڑھ صدی قبل لکھی گئی مگر اس کی زبان اتنی صاف اور سلیس ہے کہ دورِ حاضر میں بھی اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ۵۳ آج سرسید احمد خان کی مذہبی فکر موجودہ عہد کے بیشتر علما اور فقیہ کی آرا کے پس پشت، منبع فیض نظر آتی ہے۔ سید جیسے اعلیٰ ذہن کے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ۵۴

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر نورالحسن نقوی، سرسید کا تعلیمی منصوبہ اور عہد حاضر میں اس کی معنویت (خطبہ)، مشمولہ بابائے اردو یادگاری خطبہ، ص ۲۹۷

۲۔ محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین، جلد دوم، ۱۹۲۸ء، ص ۱۹

۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، سرسید اور علی گڑھ، دیباچہ، ص ا

۴۔ ایضاً، ص ۱۶۔۱۷

۵۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید کا اثر ادبیات اردو پر، مشمولہ نگار پاکستان، سرسید نمبر، ص ۲۹

۶۔ ایضاً، ص ۲۹

۷۔ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ص ۲۱۷

۸۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۹۔ قمرالدین، سرسید کی تاریخی بصیرت، نگار پاکستان، سرسید نمبر، جلد دوم، حصہ دوم، ص ۲۹۵

۱۰۔ پروفیسر خلیق نظامی، سرسید اور علی گڑھ تحریک، ص ۵۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۲ ۱۲۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۳۔ شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر، ص ۷۸

۱۴۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۳ ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب، جلد دوم، ص ۱۱۹

۱۸۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص ۲۰۸

۱۹۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۱۷۶۔۱۷۷

۲۰۔ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ص ۲۲۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۱۷۔۲۱۸ ۲۲۔ ایضاً، ص ۲۱۹

۲۳۔ پروفیسر خلیق نظامی، سرسید اور علی گڑھ تحریک، ص ۲۴۳۔۲۴۲

۲۴۔ ایضاً، ص ۷۲ ۲۵۔ ایضاً، ص ۸۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۸۴ ۲۷۔ ایضاً، ص ۹۰

۲۸۔ اشتیاق حسین قریشی، برِّعظیم پاک و ہند کی ملّت اسلامیہ، ص ۲۱۸

۲۹۔ ایضاً۔ ۳۰۔ ایضاً،ص۳٦٦

۳۱۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص۲۱۲

۳۲۔ عزیز احمد، برِ صغیر میں اسلامی جدیدیت، ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی، ص۴۳

۳۳۔ ایضاً،ص۴۴ ۳۴۔ ایضاً،ص۷۱

۳۵۔ ایضاً،ص۷۲ ۳٦۔ ایضاً،ص۷۵

۳۷۔ ایضاً،ص۷٦ ۳۸۔ ایضاً،ص۸۱

۳۹۔ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ص۲۵٦

۴۰۔ عزیز احمد، برِ صغیر میں اسلامی جدیدیت، ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی، ص۱۲۱

۴۱۔ ایضاً،ص۲۲۵ ۴۲۔ ایضاً،ص۲٦۳

۴۳۔ ایضاً،ص۲٦۳

۴۴۔ پروفیسر خلیق نظامی، سرسید اور علی گڑھ تحریک، ص۴٦

۴۵۔ ایضاً،ص۵۵ ۴٦۔ ایضاً،ص۵۵

۴۷۔ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ص۲۲۰

۴۸۔ پروفیسر خلیق نظامی، سرسید اور علی گڑھ تحریک، ص۲۴۲۔۲۴۳

۴۹۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ اردو ادب، ص۴۴۲

۵۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید کا اثر ادبیات اردو پر، سالنامہ نگار پاکستان، سرسید نمبر، ص۳۲

۵۱۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، علوم القرآن تقریظ مولانا محمد یوسف بنوری، ص۱۱

۵۲۔ شبلی نعمانی، سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر، نگار پاکستان، سرسید نمبر، ص۱۱

۵۳۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب، تعارف تفسیر القرآن سرسید احمد خان، ص۲۰۰۴

۵۴۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سرسید احمد خان اور جدت پسندی، ص۴۰